اوپندر ناتھ اشک کے افسانے: ردِ استعماری جہت
(بحوالہ خصوصی: ڈاچی اور دوسرے سیاسی افسانے)

Upendranath Ashk's Short Stories: Anti-Colonial Dimension
(With special reference to: Daachi and Other Political Stories)

Muhammad Amir Sohail
Lecturer, Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha
muhammad.amir@uos.edu.pk
Ahmad Raza Khan
M.Phil, Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha
ahmadraz.52521@gmail.com

KEYWORDS

Patriotism
Nationalism
Political Consciousness
Resistance Movement
Protest Demonstration
Social conditions
Class struggle

DATES

Received	**12-05-2025**
Accepted	**10-06-2025**
Published	**30-06-2025**

QR CODE

ABSTRACT

Upendranath Ashk began his creative life in the third decade of the twentieth century. He is considered one of Urdu's significant short story writers. His short stories are narratives of political and social conditions, focusing on social issues and inequalities, as well as the political and social activities of the lower and middle classes. The anti-colonial dimension of his stories is prominent. This article presents an anti-colonial study of Ashk's representative collection of short stories, "Daachi Aur Doosre Siyasi Afsane" (Daachi and Other Political Stories). In this collection, the impact of the political conditions and movements of Ashk's era on rural and urban life is evident. These stories depict peasant movements against colonial feudalism and laborers' protests against colonial capitalism. These stories articulate patriotism, nationalism, revolutionary tendencies, protest demonstrations, and contemporary resistance movements. Characters possessing national and revolutionary consciousness participate in political activities. All these elements collectively form an anti-colonial narrative, which highlights the anti-colonial dimensions of his work.

https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/148

تلخیص:

اوپندر ناتھ اشک نے اپنی تخلیقی زندگی کا آغاز بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے کیا۔ ان کا شمار اردو کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے افسانے سیاسی و سماجی حالات کا بیانیہ ہیں۔ سماجی مسائل و ناہمواریاں اور نچلے و متوسط طبقات کی سیاسی و سماجی سرگرمیوں کو موضوع بناتے ہیں۔ ان کے افسانوں کی ردِ استعماری جہت نمایاں ہے۔ اس مقالہ میں اشک کے نمائندہ افسانوی مجموعے "ڈاچی اور دوسرے سیاسی افسانے" کا ردِ استعماری مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں اشک کے عہد کے سیاسی حالات و سیاسی تحریکوں کے اثرات دیہاتی و شہری زندگی پر پڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان افسانوں میں نوآبادیاتی جاگیرداری کے خلاف کسانوں کی تحریکوں اور نوآبادیاتی سرمایہ داری کے خلاف مزدوروں کے احتجاج نظر آتے ہیں۔ یہ افسانے حب الوطنی، قوم پرستی، انقلابی رجحان، احتجاجی مظاہروں اور معاصر مزاحمتی تحریکوں کو بیان کرتے ہیں۔ قومی و انقلابی شعور کے حامل کردار سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ سب مل کر استعمار مخالف بیانیہ بناتے ہیں۔ اسی سے ان کی ردِ استعماری جہات سامنے آتی ہیں۔

اوپندر ناتھ اشک (۱۹۱۰ء تا ۱۹۹۶ء) کثیر الجہت ادیب ہیں۔ اُن کی تخلیقات میں شاعری، ناول، ڈرامے، تنقید، تذکرے اور تراجم شامل ہیں۔ تاہم افسانہ نگاری میں انھیں ممتاز مقام حاصل ہے۔ اشک کے افسانوں کے انتخاب اور مجموعوں کی تعداد ۱۰ ہے۔ ۱۔ نورتن (۱۹۳۰ء) ۲۔ عورت کی فطرت (۱۹۳۳ء) ۳۔ ڈاچی اور دوسرے سیاسی افسانے (۱۹۳۹ء) ۴۔ کونپل (۱۹۴۰ء) ۵۔ چٹان (۱۹۴۱ء) ۶۔ ناسور (۱۹۴۳ء) ۷۔ کالے صاحب (۱۹۵۶ء) ۸۔ اشک کے منتخب افسانے (۱۹۸۶ء) ۹۔ ٹیرس پر بیٹھی شام (۱۹۸۷ء) ۱۰۔ ٹیبل لینڈ اور دوسرے افسانے (۱۹۹۲ء)۔

اُن کا شمار دبستانِ پریم چند کے زیرک فن کاروں میں کیا جاتا ہے۔(1) اشک کے سامنے پریم چند، راشد الخیری اور سجاد حیدر یلدرم بطور نمونہ تھے۔ ان کے ہاں ابتدائی رجحان اصلاحی اور رومانوی ہے۔ انھوں نے معاشرے کی سفاکیت کو بے نقاب کیا۔ عورت اور اُس کے سماجی مسائل کو توجہ دی۔ ۱۹۳۶ء کے بعد انھوں نے ترقی پسند موضوعات کو اختیار کیا۔ اوپندر ناتھ اشک کے افسانوں میں اپنے عہد کے دیہاتی، شہری، سیاسی و سماجی زندگی کی عکاسی خاص افسانوی اسلوب میں نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنی تخلیقی زندگی کا آغاز بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں کیا۔ سماجی زندگی کی تلخیاں، ناہمواریاں، معاشرتی حالات کے بدلاؤ کے ساتھ انفرادی داخلی نفسیات اور عمل وردِ عمل کی پیش کش ان کے افسانوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ وہ نچلے اور متوسط طبقے کی زندگی کا مشاہدہ گہرا رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے عہد کے سیاسی حالات و سیاسی تحریکوں کے اثرات دیہاتی و شہری زندگی پر پڑتے دیکھے ہیں۔ ہندوستانی طرزِ زندگی اور آدابِ معاشرت پر نوآبادیاتی تہذیبی اثرات کا اظہار ان کے افسانوں میں اسلوب نظر آتا ہے۔ وہ اپنے عہد کی روح افسانوں میں پیش کرتے ہیں۔ اوپندر ناتھ کا سفر اصلاحی رجحان سے شروع ہو کر نچلے طبقے کی خامیوں، الجھنوں، برائیوں اور پریشانیوں تک آیا۔ جنسی

تفاوت اور عورت کی ہندوستانی زندگی کا اصل روپ ان کے افسانوں میں ملتا ہے۔ وہ زندگی کی حقیقتوں کو بخوبی جانتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر صادق:

”اپندر ناتھ اشک کے نزدیک زندگی عناصر میں ظہور ترتیب کا نام نہیں اور نہ ہی وہ اسے دیوانے کا خواب ماننے کے لئے تیار ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی ایک ٹھوس حقیقت ہے جسے مخلصانہ طور پر سمجھنے اور سمجھانے کی مقدور بھر کوشش ان کے افسانوں میں ملتی ہے۔ سماج کے پس ماندہ نچلے طبقے اور ادنی متوسط طبقے کی زندگی کا مشاہدہ انھوں نے بہت قریب سے کیا ہے۔ ان علاقوں میں بھی دن گزارے ہیں جہاں اقتصادی تنگی جہالت، گندگی اور بیماریاں زندگی کا حصہ ہوا کرتی ہیں “۔(2)

اُن کی افسانہ نگاری کا عروج مجموعہ ”ڈاچی اور دوسرے سیاسی افسانے“ (۱۹۳۹ء) میں نظر آتا ہے، اس مجموعے میں اخلاقی واصلاحی کے علاوہ ہندوستان کی سیاسی صورت حال کی حقیقتیں قاری بغور دیکھ سکتا ہے۔

اوپندر ناتھ اشک نے اپنے افسانوی مجموعہ ’ڈاچی اور دیگر سیاسی افسانے ‘کو اپنے افسانہ نگاری کے بہترین دور کا آغاز شمار کیا ہے۔ اس میں تیرہ افسانے موجود ہیں۔ ذیل میں چند افسانوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں براہِ راست ردِ استعماریت نہیں البتہ بالواسطہ اس دور کی سیاسی و قومی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ افسانہ ’رفاقت‘ میں دو دوستوں کندن اور حامد کی دوستی کو قومی تحریک سے فرقہ واریت تک بنتے بگڑتے دکھایا گیا ہے۔ ان کی دوستی کالج سے شروع ہوتی ہے۔ جب وہ قومی تحریک میں کالج انتظامیہ کی منشا اور کالج قوانین کے خلاف شامل ہوتے ہیں۔ اس دور میں قومی تحریک میں شمولیت کرنے والے ہندو مسلم اور دیگر فرقے سب شامل تھے۔ سٹوڈنٹ یونین قومی تحریک کا حصہ تھی۔ آزادی کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لے رہی تھی۔ ہندوؤں کی راہنمائی کندن جبکہ مسلمان طلبا کی راہنمائی حامد کر رہا تھا۔ کالج کے طلبا کندن اور حامد کی قیادت میں مکمل یکجہتی کے ساتھ آزادی کی جدوجہد میں شریک ہوتے ہیں، جلسے جلوس نکالتے ہیں، استعماری حکومت کے خلاف مظاہرے، بھارت ماتا کے حق میں نعرے، جذبہ آزادی سے سرشار ہو کر قومی نعروں سے استعمار مخالف فضا پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ:

”تحریک کے شروع ہی میں طلباء نے اس میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ قومی جلسوں اور جلوس میں شامل ہوتے۔ قومی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور ہفتہ بھر میں جو خیالات ان کے دل میں جمع ہوتے۔ انہیں کالج یونین کے ہفتہ اجلاس میں نکادیتے۔ کوئی پروگرام ہو، مناظرہ، مشاعرہ، مضامین، افسانے سب کچھ وہ قومی جذبات کے رنگ میں رنگ دیتے۔“(3)

کالج انتظامیہ کی طرف سے جب سٹوڈنٹ یونین پر پابندی عائد ہوئی تو خفیہ جلسے، لیکچر اور مباحثے ہونے لگے۔ ابتدا میں کندن کے ساتھ ہندو طلبا ہی تھے بعد میں حامد کی قیادت میں مسلم طلبا میں قومی یکجہتی پیدا ہو گئی۔ اب کالج انتظامیہ انھیں نہ دبا سکی۔ حامد نے پرنسپل سے کہا: ’آپ ہمیں قوم فروش نہ سمجھئے‘۔ کندن و حامد قومی گیتوں اور قومی نعروں کے ساتھ جلوس نکالتے ہیں۔ کالج سے فراغت پا کر کانفرنس میں شمولیت اختیار کرتے ہیں۔ بعد ازاں فرقہ وارانہ جذبات نے کندن اور حامد کو مدِ مقابل لا کھڑ کیا۔

اشک کا افسانہ 'رفاقت' عوامی جذبہ حب الوطنی کے ساتھ ساتھ کالج طلبا میں پایا جانے والے قومی شعور، آزادی کی جد وجہد، ہندو مسلم طلبا کا اتحاد، قومی یکجہتی اور ملکی و قومی آزادی و خود مختاری کے لیے کی جانے والی کوششوں کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ اس وقت جب تحریکِ آزادی شروع ہو چکی تھی تب قومی تحریک میں سب لوگ شامل تھے۔ ہر طبقہ شامل تھا۔ قومی ہم دردی کا جذبہ ، قومی شعور کی پختگی کے ساتھ آزادی کے حصول کی کوشش کالج طلبا زور و شور سے کر رہے تھے۔ طلبا کے اسی قومی کرداری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نو آبادیاتی ملک میں مقامیوں کا قومی کردار ردِ استعماریت کا متحمل ہوتا ہے۔ اوپندر ناتھ اشک نے قومی یکجہتی و تفرقہ کی وجوہات واسباب کو بھی بیان کیا ہے۔ افسانہ گہری سیاسی بصیرت، قومی شعور اور بنتے بگڑتے حالات کا بیانیہ ہے۔

اشک نے افسانہ 'لیڈر' میں قومی لیڈروں کی تین اقسام بتائی ہیں۔ اول حب الوطنی کے جذبے سر سرشار لیڈر، دوم حب الوطنی اور خدمتِ شکم دونوں کے قائل لیڈر، سوم وہ لیڈر جو تفریحی مقاصد کے لیے قومی و سیاسی تحریکوں میں شامل ہوتے ہیں۔ اس افسانے میں تیسری قسم کے لیڈر شرما کی فعال قومی زندگی کو قارئین کے سامنے لایا گیا ہے۔ شرما 'سودیشی تحریک' کے زبردست حامی اور بدیسی صنعتوں کے خلاف قوم کو دیسی مال کی خرید و فروخت کی طرف لانے والے کانگریسی لیڈر ہیں۔ سودیشی تحریک کی جدوجہد صرف استعماری حکومت کے خلاف اور ملک و قوم کی آزادی تک محدود نہ تھی بلکہ اس تحریک نے بدیشی مال کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کی، عوام کو اپنے جلسے جلوسوں اور تقریروں کے ذریعے سمجھایا دیسی مال خریدنے سے ہندوستان (ملک و قوم) کا فائدہ ہے۔ جبکہ بدیشی (ولایتی) مال خریدنے اور فروخت کرنے سے ہندوستانی معیشت و صنعت بری طرح تباہ ہو رہی ہے۔ اس تحریک کا اثر یہ ہوا کہ عوام میں کھدر کے کپڑے کی خرید و فروخت شروع ہوئی، کارخانوں میں کھدر بننے لگا۔ جولاہوں نے کھدر بنانا شروع کر دیا، سرمایہ داروں کے کارخانے (جو ولایتی مال تیار کرتے تھے) بری طرح متاثر ہوئے۔ شرما نے اپنی تقریر میں ملک کی حالت زار، سرمایہ داروں کی معاشی آسودگی اور جولاہوں، مزدوروں کی کسم پرسی اور معاشی تباہی پر ایسی روشنی ڈالی کہ عوام کھدر کے کپڑے خریدنے لگی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا:

> "دوستو! آج ہم ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں، اس وقت ہمیں سرکار انگلشہ ہی سے نہیں لڑنا، بلکہ اپنے بھائیوں کا بھی مقابلہ کرنا ہے جو خود غرضی سے اندھے ہو کر ہندوستان کی غلامی کی زنجیروں کو اور بھی مضبوط بنا رہے ہیں، جو دولت پیدا کرنے کی دھن میں ہر طرح کے فریب کو جائز سمجھتے ہیں۔۔۔ آج زیادہ سے زیادہ مقدار میں کھدر فروخت کیا جائے۔ لیکن وہ ہمارے بھائی مل کے کپڑے کو ہی کھادی کہہ کر فروخت کر رہے ہیں۔۔۔ سرمایہ داروں کی خود غرضیوں کا شکار بننے والے غریبو، جاگو، کہ تمھارے ہاتھ سے روٹی چھینی جا رہی ہے، جاگو کہ تمھارے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑا جا رہا ہے۔ تم خاموش بیٹھے ہو، ہاتھ نہیں ہلاتے، روتے ہیں، چلاتے بھی نہیں، ادھر مہاتما گاندھی نے کھدر پہننے کی تلقین کی ہے اور ادھر مِل مالکوں نے دھڑا دھڑا کھدر تیار کرنا شروع کر دی اہے۔ وہ بھوک کے ہاتھ سے روٹی کا خشک

نوالہ تک چھین لینے کو تیار ہیں۔ وہ کھادی کی تحریک کو چلنے نہیں دینا چاہتے۔ لیکن اگر تمھاری رگوں میں جان ہے، اگر تمھیاری تنظیم میں طاقت ہے، تمھاری آہوں میں اثر ہے، اور تمھارے نالوں میں درد ہے ۔ تو بازی تمھارے ہاتھ رہے گی۔۔۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے ہم محلے محلے جائیں گے گلی گلی جائیں گے۔ ان غریب بے بسوں کی کہانی سب کو سنائیں گے اور مجھے یقین ہے۔ درد مند محب الوطن ہماری سنیں گے۔"(4)

ہندوستان میں کپڑے کی صنعت معیشت کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔ تہذیبی اتصال نے ہندوستانیوں میں جو مرعوبیت پیدا کی اس نے مغربی لباس کی نقل کرنے تک پہنچایا۔ مغربی فکر سے بود و باش تک کی نقل نے ہندوستانیوں میں مقامیت کا احساس ختم کر دیا۔ وہ مغربی لباس اور مغربی تیار شدہ کپڑا استعمال کرنے لگے جس نے ہندوستانی کپڑے کی صنعت (دست کاری، مقامی صنعت) کو شدید متاثر کیا۔ ان حالات میں ہندوستان میں سودیشی تحریک شروع ہوئی جس کا بنیادی مقصد دیسی کپڑے کی خرید و فروخت کرنے پر زور اور بدیسی کپڑے کی خرید و فروخت کی روک تھام تھا۔ مقامی صنعت و معیشت کے لیے یہ تحریک کام یاب رہی۔

نو آبادیاتی سرمایہ دار، عام لوگوں اور مزدوروں کے لیے استعمار کار کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا مذہب پیسہ تھا۔ اور اس وقت ہر سرمایہ دار، سرمایہ کو بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ پیسہ جمع کرنے میں مصروف تھا چاہے اس کے لیے عوام اور دوسرے سرمایہ دار کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔ کارخانے کی صنعت نے دست کاریوں کو ختم کر دیا۔ مقامی صنعت کے زوال نے بے روزگاری عام کر دی۔ مزدوروں کی تنخواہیں کم اور کام کرنے کا دورانیہ زیادہ تھا۔ ایسی صورت حال میں ہندوستانی عوام اور مقامی صنعت تباہ ہو کر رہ گئی۔ کانگریس نے سودیشی تحریک کا آغاز کیا۔ عوام میں معاشی شعور اور مقامیت کا احساس پیدا کیا۔ یہ استعمار اور استعمار معاون طبقے کے خلاف کھلی مزاحمت، بغاوت اور جنگ تھی۔ اس تحریک کا اثر یہ ہوا کہ مقامی صنعت بحال ہوئی، لوگ کھدر پہننے لگے، بدیسی اشیا کو جلایا گیا۔ بدیسی اشیا و صنعت سے انحراف و مخالفت اور دیسی اشیا و صنعت کے فروغ و بحال کے لیے چلائی جانے والی یہ تحریک 'ردِ استعماریت' کی حامل تھی۔ جس نے غیر ملکی اشیا (اور اپنی صارفیت حیثیت) کو رد کر کے مقامی لباس پہننے اور قومی، سیاسی اور معاشی شعور پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

ہندوستان میں نو آبادیاتی سرمایہ داروں، افسروں، سیٹھوں، ساہوکاروں، اور استحصال کاروں کے خلاف انقلاب پسندوں کی متشدد تحریک شروع ہوئی۔ جن کا مشن چھپ کر استحصال کاروں کو قتل کرنا تھا۔ وہ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اگر ہندوستان کی حقیقی آزادی چاہیے تو استعماروں اور ان کے معاونین (سپاہیوں، افسروں، سرمایہ داروں) کو ایک ایک کر کے قتل کرنا ہو گا اس لیے کہ ایک انگریز قتل ہونے سے جو استعماری حکومتی ایوانوں میں خوف و ہراس پھیل جاتا ہے وہ سینکڑوں جلسے جلوسوں میں نہیں پیدا ہو سکتا۔ اوپندر ناتھ اشک نے افسانے 'احساس فرض' میں انقلاب پسند متشدد تحریک کو موضوع بنایا ہے۔ جس میں شامل کارکنوں کی

اصل نام پردہ میں رکھ کر انھیں فرضی ہندسوں میں نام دیے جاتے ہیں۔ انقلاب پسند متشدد خفیہ کلب کا سربراہ کارکنوں سے تقریر کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ”دوستو ظلم کا سہنا بھی اتنا ہی گناہ ہے جتنا ظلم کا روا رکھنا، ہمیں سہتے سہتے صدیاں گزر گئیں ہیں۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ انسان کو انسان سے انسانوں جیسا سلوک کرنا سکھایا جائے۔ اور یہ بات آسانی سے نہ ہو سکے گی۔ اس کے لیے قربانی کرنا ہو گی۔ روئے بغیر ماں بھی دودھ نہیں دیتی۔ پھر ہم جو اتنے حقوق لاکھوں مزدوروں کے لیے مانگ رہے ہیں۔ وہ کس طرح آسانی سے مل جائیں گے۔ ہمیں اس کے حصول کی خاطر جانے کتنی دیر لڑنا ہو گا۔ جانے کتنی قربانیاں ڈینی پڑیں گی۔۔۔ دوستوں مفلس اور غریب مزدوروں کو تمھاری ضرورت ہے۔ آج ہزاروں کی آنکھیں تمھاری طرف لگی ہوئی ہیں۔ پورے دو مہینے سے ہڑتال جاری ہے۔ ہزاروں مزدور بیکار ہیں اور ان کے بیوی بچے فاقوں سے دن کاٹ رہے ہیں۔ بیمار ہو رہے ہیں، مر رہے ہیں۔ ہماری انجمن نے انھیں یقین دلایا ہے کہ ان کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سرمایہ داروں کی انجمن کے صدر ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں وہ پہلے جھکانا چاہتے ہیں پھر توڑنا۔ لیکن ہم ٹوٹ بھلے ہی جائیں جھکیں گے نہیں۔ تمھارے دلوں میں جوش ہے۔ رگوں میں خودداری اور حمیت کا خون ہے۔ اور خون میں حرارت اور قربانی کا مادہ موجود ہے۔ جاؤ اور غاصبوں سے غریبوں کے خون کا بدلہ لو۔“(6)

یورپی نظامِ نو آبادیات جس کے سیاق میں قوم پرستی، معاشی اجارہ حاصل کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش تجارتی بالادستی کے حصول کی ہر ممکن تگ و دو شامل ہے، نے انسان پر انسان کے جس غلبہ کو تقویت دی اس نو آبادیاتی سرمایہ داریت، مادیت پسندی، مزدور کشی اور استحصالی رویوں کو ختم کرنے، ان سے نجات حاصل کرنے اور اس سے بڑھ کر اس سے بدلہ لینے کے لیے انقلاب پسندوں نے تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ ظلم کا جواب ظلم، تشدد کا جواب تشدد اور قتل کا جواب قتل سے دینا انقلابی کلب کا مشن بن گیا۔ یورپی نو آبادیاتی سرمایہ داریت نے استعماری نظام کے قیام کے لیے جس قتل و غارت کو اپنایا، مزدوروں کو کم اجرت دی، سرمایہ دار کے نقصان کا بیمہ پالیسی نے تو ازالہ کیا لیکن کارخانوں میں جل کر راکھ ہونے والوں کو کسی نے اشک شوئی نہ کی۔ اس نظام اور اس کے خونی عمل کا انتظام قتل سے ہی ممکن تھا۔ پریم چند کے افسانے ’قاتل‘ اور ’قاتل کی ماں‘ ہندوستان کی اسی تشدد پسند انقلابی خفیہ تنظیم کو موضوع بناتے ہیں۔ اوپندر ناتھ اشک کا افسانہ ’احساسِ فرض‘ بھی پریم چند کے افسانوں کی طرح قاتل کا المیہ ٹھہرتا ہے۔ پریم چند نظریاتی طور پر عدم تشدد کے حامی تھے۔ اس لیے ان کے افسانوں میں قاتل کی ماں کو ہی قتل کر بیٹھتا ہے۔ جبکہ اوپندر ناتھ اشک کا افسانہ قاتل کے ہی المیہ پر ختم ہوتا ہے تاہم اشک اسے ’احساس فرض‘ تصور کرتا ہے۔ یہ متشدد تنظیم جس نے غریبوں، مزدوروں، بے کسوں، کسانوں، مظلوموں، غلاموں، نادار لوگوں اور نو آبادیاتی میں پسے ہوئے طبقوں کا بدلہ صاحب لوگوں، سیٹھوں، ساہوکاروں، نو آبادیاتی سرمایہ داروں، پولس کے افسروں اور انگریز سے لینے کا عزم رکھا تھا؛ ردِ استعماری فکر کی انتہائی مادی شکل ہے۔

نو آبادیاتی عہد میں ہی نو آبادیاتی جاگیر دار جن کی استعماری سر کار پشت پناہی کر رہی تھی، لگان وصول کرتے، یہ لگان عام کسان کو ادا کرنا پڑتا جس کی حیثیت اپنی روزی روٹی پوری کرنے سے زیادہ نہ تھی مگر ظالم جاگیر دار اور زمیندار لگان وصول کرتے۔ لگان کی عدم ادائیگی کسانوں کے لیے موت کا پیغام لاتی۔ اشک کا افسانہ 'خاموش شہید' اسی المیے کو قاری کے سامنے لاتا ہے۔ جس کا کردار شمبھو اس وجہ سے لگان ادا نہیں کر سکتا کہ اس کی فصل بارش نہ ہونے کی وجہ سے تباہ ہو گئی تھی۔ نتیجتاً:

> "زمیندار کے کارندوں نے اس کی زمین چھین لی۔ جھونپڑی نیلام کر دی، برتن بھانڈے بیچ ڈالے اور اسے بالکل بے خانماں برباد بنا ڈالا۔"(6)

نو آبادیاتی جاگیر داری میں کسان اور مزارعے ہمیشہ استحصال کی زد میں رہتے ہوئے دردناک زندگی گزارتے ہیں۔ استعماری نظامِ حکومت نے دیہی علاقوں میں نو آبادیاتی جاگیر داری نظام کو پیدا کیا جس میں تین طبقے وجود میں آئے۔ اول استعمار اور ان کے معاون افسران دوم وہ طبقہ جس کی توجہ زراعت اور پیداوار پر تھی۔ تیسرا طبقہ زمینداروں کا تھا۔ جو کسانوں کی محنت لگان کے نام پر ہتھیا لیتے۔ اس نے اپنا کردار بھی استعماری آقاؤں کے معاون کے طور پر ادا کیا۔ گاؤں میں پولیس زمینداروں کا ساتھ دیتی۔ زمینداروں کے کارندے (منشی) بھی اس استحصال و ظلم میں کردار ادا کرتے۔ شمبھو نے اس ظلم کے خلاف احتجاج کے طور پر بھوک ہڑتال کی۔ پندرھویں روز بھوک سے مر گیا۔ اشک نے اسے ' خاموش شہید' قرار دیا ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ اول اس نے اپنے تئیں مزاحمت اور احتجاج کیا جس کی وجہ سے مرا تو شہید کہلایا دوم اس کی شہادت پر قومی جلوس، قومی نعرے اور اخباروں میں اس کی قربانی کی خبر نہ چھپی۔ اس لیے 'خاموش' کا لفظ استعمال ہوا۔ اشک یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ قومی جلوس، قومی نعروں اور دھوم دھام سے جنازے صرف لیڈران کے نکلتے ہیں حالاں کہ شمبھو ایسے کئی خاموش اور اکیلے مزاحمت و احتجاج کرنے والوں کا کسی کو معلوم نہیں۔ شمبھو کا لگان کی ادائیگی سے انکار، احتجاج، بھوک ہڑتال اور فاقے سے مر جانے تک کا سفر فردِ واحد کا ردِ استعماری رویہ ہے۔ یہ صورت حال مزاحمتی ہے۔ اشک نو آبادیاتی جاگیر داری اور طبقاتی کش مکش کو موضوع بنا کر اس کے خلاف جذبات ابھارتے ہیں۔ قاری کو ایسے سفاک و استحصالی نظام سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

ڈاکٹر قمر رئیس لکھتے ہیں:

> "برطانوی عہد کے جاگیر داری نظام میں غریب محنت کش انسانوں کا استحصال ہو یا طبقاتی کشمکش کی بے داد۔ وہ میکانیکی ڈھنگ سے کسی نظریہ کا اطلاق نہیں کرتے۔ اس کے برعکس انسانی زندگی کی المناک اور تلخ سچائیوں سے ایسی کہانیاں تراشتے ہیں جو اس نظام کی سفاکی اور بے دردی کے خلاف احتجاج بن جاتی ہیں۔"(8)

متشدد انقلابی تحریک ایسے ہی مظالم، استحصال اور صورت حال جنم لیتی ہے۔ اس کا مقصد استعماری و سامراجی مظالم کا بدلہ قتل سے لینا تھا۔ اشک کے افسانے 'زندگی کا راز' متشدد انقلابی تحریک کے سیاق میں انقلابی شاعری کرنے والے شاعر شب دیال کو

سیٹھ رام لال کے قتل کے جرم میں گرفتار کر کے پھانسی کی سزا سنائی جاتی تھی۔ سیٹھ رام لال کو وراثت میں جائیداد اور کارخانے ملے۔ عدم تعاون کی تحریک اور سودیشی تحریک دونوں اس کے لیے مفید رہیں۔ سیٹھ رام لال مزدوروں کی تنخواہوں میں تخفیف کرتا ہے، مزاحمت کرنے والوں کو نوکری سے برطرف کر دیتا ہے۔ مزدور یونین نے اس کے خلاف ہڑتال کی تو استعماری نظام کا قائم کردہ ادارہ پولیس اس کی مدد کو آ پہنچا۔ یہ منظر شب دیال اور نرائن دیکھتے ہیں۔ اس کے بعد نرائن ملک کا معروف شاعر رومانوی شاعری کو چھوڑ کر انقلابی شاعری کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پھر:

> ”وہ غریبوں کا، مفلسوں اور مزدوروں کا شاعر بن گیا۔ اور اس کے اشعار سرمایہ داروں کی عیش پرستیوں کا مرقع کھینچنے لگے۔“(8)

نارائن کی طرح شب دیال نے بھی ایک منظوم افسانہ لکھا جس میں:

> ”ایک سادہ لوح جذباتی نوجوان سرمایہ داروں کے مظالم دیکھ کر مزدوروں کی تنظیم کرتا ہے لیکن چوں کہ سرمایہ دار کا ظلم روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اس لیے مزدور اس کے بس میں نہیں رہتے۔ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہتے ہیں اور ایک دن سرمایہ دار پر حملہ کر دیتے ہیں۔ پولیس مزدوروں کے ساتھ اسے بھی گرفتار کر لیتی ہے اسے پھانسی کا حکم ہوتا ہے۔ اس کے بیوی، بچے، اس کے ناطے رشتے دار اس کے لیے روتے ہیں، لیکن وہ خوشی خوشی تختہ دار پر چڑھ جاتا ہے۔“(9)

شب دیال کا یہ منظوم افسانہ اس کی حقیقی زندگی میں پیش آتا ہے۔ یہ افسانہ انقلابی متشدد تحریک کو اکسانے والے انقلابی شاعر کی زندگی کا المیہ بن کر سامنے آتا ہے۔ نو آبادیاتی حکومت ظلم کا ساتھ دیتی ہے۔ مزدور یونین اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھاتی ہے تو اسے پولیس کے ذریعے دبایا جاتا ہے۔ مزدوروں کے لیے سرمایہ داروں کا رویہ استعماری رویے کی ہی طرح ہوتا ہے۔ سرمایہ دار کا کردار استحصال کار کا ہوتا جس کے خلاف انقلاب پسند متشدد گروہ اور انقلابی شاعری کا آغاز برصغیر میں ہوا۔ افسانہ ”حربہ“ میں علامتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اشک نے تین واقعات بیان کیے ہیں۔ اول جس میں چڑیا ایک کیڑے کو چونچ میں دبوچ کر نگل جاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے کیڑوں کی فوج اُس پر حملہ آور ہو جاتی ہے:

> ” اس سے بیشتر وہ اُڑنے کی کوشش کرتی۔ انھوں نے بیسیوں جگہ اس کے جسم کو کاٹ لیا۔ وہ اس کے پروں سے چمٹ گئے۔ دو چھوٹے چھوٹے کیڑے اس کی آنکھوں میں گھس گئے۔“(10)

دوم ایک بڑا سانپ جھاڑی سے نکل کر درخت پر چڑھنے لگا۔ اس نے چڑیا کے گھونسلے سے ایک انڈا اٹھایا اور جلدی سے اترنے لگا۔ آن کی آن چڑیوں کے غول نے اس پر حملہ کر دیا اور ٹھونگے مار مار اس کو لہو لہان کر دیا۔ سوم ایک سپیرا بین بجاتا ہے تو سانپ بلوں سے نکل کر پھن اٹھا کر مستی بھرے گیت سننے لگتے ہیں۔ سپیر ا ایک سانپ پر کپڑا ڈالتا ہے، سپیرے کو دانت نکالنے میں مصروف دیکھ کر سانپ حملہ آور ہو کر بیسیوں ڈنک مار لیتے ہیں۔ سپیرا مر جاتا ہے۔ افسانہ نگار ان واقعات سے اتحاد کا درس دیتا ہے۔

”اِن کیڑوں، چڑیوں اور سانپوں کی طرف دیکھو۔ جو حربہ ان کے پاس ہے (اگر وہ اس سے کام لینا چاہیں)۔ وہی دنیا بھر کے مظلوموں کے پاس ہے۔“(11)

افسانے میں وہ اُن مزدوروں اور کسانوں کا ذکر کرتے ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں ناگفتہ بہ حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اشک افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ اِن مظلوموں پر ظلم کرنے والے عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ افسانے کے آخر میں اشک دنیا کے تمام مظلوموں کے کانوں میں اتحاد کا نغمہ پھونکنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

بیسویں صدی کے اوائل میں قومی، مزاحمتی، احتجاجی اور انقلابی شاعری کے ساتھ ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں نے مزدوروں، کسانوں، مزارعوں، طلب علموں اور عوام میں استعمار کاروں، نوآبادیاتی نظام کو چلانے والوں، نوآبادیاتی سرمایہ داروں، نوآبادیاتی جاگیرداروں کے خلاف اپنا کردار ادا کر کے ان میں قومی، سیاسی، معاشی، جمہوری اور آزادی کا شعور پیدا ہوا۔ انقلابی شاعری اور اردو افسانے میں ردِ استعماری رجحانات پروان چڑھے۔ اوپندر ناتھ اشک کے افسانے اپنے عہد کے قومی، سیاسی، معاشی اور سماجی شعور کو اجاگر کرتے ہیں اور اس عہد کی مجموعی صورت حال کی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

1. انور سدید، اُردو افسانے میں دیہات کی پیش کش (الہ آباد: اُردو رائٹرز گلڈ، 1983ء)، 182۔
2. صادق، ڈاکٹر، ترقی پسند تحریک اور اُردو افسانہ (دہلی: مکتبہ جامعہ، 1981ء)، 179۔
3. اوپندر ناتھ اشک، ڈاچی اور دوسرے سیاسی افسانے (لاہور: اردو بک سٹال، 1939ء)، 50۔
4. اوپندر ناتھ اشک، ڈاچی اور دوسرے سیاسی، 83 تا 85۔
5. ایضاً، 98 تا 101۔
6. ایضاً، 118۔
7. قمر رئیس، ڈاکٹر، ”اوپندر ناتھ اشک: چند تاثرات“، مشمولہ، ماہنامہ ’آج کل‘، نئی دہلی، شمارہ 5، جلد 54، دسمبر 1996ء، 17۔
8. اوپندر ناتھ اشک، ڈاچی اور دوسرے سیاسی، 143۔
9. ایضاً، 145۔
10. اوپندر ناتھ اشک، ڈاچی اور دوسرے سیاسی، 186۔
11. ایضاً، 179۔

References in Roman Script

1. Anwar Sadid, Urdu afsany mein Dihat ki paishkash, (Ilah Abad: Urdu Writers Gild, 1983), 182.
2. Sadiq, Dr, Taraqqi Pasand Tahreek aur Urdu afsana, (Dihli: makba jamia,1981), 179.
3. Opandar Nath Ashk, Dachi aur Dosry siyasi afsany, (Lahore: Urdu Book Stal,1939), 50.
4. Opandar Nath Ashk, Dachi aur Dosry siyasi afsany, 83 to 85.
5. Ibid, 98 to 101.
6. Ibid,118.
7. Qamar Raees, Dr,'' Opandar Nath Ashk : Chand Tassrat'', Mashmola, Mahnama 'Ajkal', Nai Dihli, Shumara 5, Jild 54, Desember 1996, 17.
8. Opandar Nath Ashk, Dachi aur Dosry siyasi afsany, 143.
9. Ibid,145.
10. Opandar Nath Ashk, Dachi aur Dosry siyasi afsany, 186.
11. Ibid,189.